

دنیا اور آخرت کے بارے ہمارا روایہ؟

مولانا محمد منظور نعمانی[°]

ایک دنیا یہ ہے جس میں ہم اور آپ رہتے ہتے ہیں اور جس میں ہماری زندگیوں کا ایک حصہ گزر چکا ہے اور کچھ باقی ہے۔ اس دنیا کی چیزوں کو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ یہاں کی آوازوں کو کافیوں سے سنتے ہیں۔ یہاں کی خوشبو بدبو کو ہم سونگھ کر جان لیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں کی سردی گرمی محسوس کرتے ہیں۔ سختی نزی کو چھو کر اور اچھے بڑے مڑے کو پکھ کر دریافت کر لیتے ہیں۔ الغرض ہماری یہ دنیا ایسی دنیا ہے کہ اس کو ہم خود اپنے خداداد علم سے جانتے ہیں اور کوئی ہمیں بتائے یا نہ بتائے، ہم اس کے وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم خود اپنے علم سے اور اپنے مشاہدے اور تجربے سے یہ بھی جانتے ہیں کہ اس دنیا میں آرام اور راحت بھی ہے اور تکلیف اور مصیبت بھی۔ یہاں کی بھوک بیاس، بیماری، زیادہ سردی اور زیادہ گرمی یہاں پر تکلیف کی چیزیں ہیں۔ اسی طرح تدرستی، خوش حالی، کھانے پینے کی اچھی چیزیں، اچھا موسم، اچھی ہوا، اچھا مکان، اچھی فضایہ یہاں کی آرام اور راحت کی چیزیں ہیں۔

پھر یہ بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جانتے ہیں کہ یہاں کی ہماری زندگی ایک محدود دمت کے لیے ہے اور یہاں کی ہر تکلیف و مصیبت اور ہر عیش و راحت بھی محدود وقت اور چند روزہ ہے۔ کتنے افراد پیدا ہونے والے جوانی سے بھی پہلے بچپنے ہی میں چل دیتے ہیں اور کتنے ایسے ہیں، کہ جوانی میں چلے جاتے ہیں۔ پھر جن کو جوانی کی بہار دیکھنے کا موقع ملتا ہے، آخر کار بڑھاپے میں وہ بھی چلے ہی جاتے ہیں۔ آج کل ۸۰، ۹۰ سال کی عمر بھی کسی کو کم ہی ملتی ہے۔ بہر حال، ہم اپنے تجربے

٥ خطبہ - مؤسس مہاتما الفرقان، و مرتب معارف الحدیث [م: ۵، ۱۹۹۷ء]

اور مشاہدے سے جس طرح اس دنیا کو جانتے ہیں، اسی طرح یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کی ہر تکلیف و راحت بس چند روزہ ہے۔

● آخرت کی دنیا: ہم اور آپ بہ حیثیت مسلمان اس دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا کو بھی مانتے ہیں، کہ وہ مرنے کے بعد والی اور آخرت کی دنیا ہے۔ وہ دنیا کہ جس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور نہ کسی اور طریقے سے ہم نے اُس کو اپنے علم سے جانا ہے، بلکہ اُس کی خبر اللہ کے پیغمبروں نے دی ہے جن کی سچائی پر ہمیں پورا تلقین ہے۔ ہماری اس دنیا میں بھی، جس میں ہم رہ بس رہے ہیں، ایسی بہت سی چیزیں ہیجی جن کو ہم نے خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے، بلکہ دوسرے لوگوں سے سن کر ہی ہم ان پر تلقین لے آئے ہیں۔

اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ آخرت میں اور وہاں کی تکلیفوں اور راحتوں کو اگرچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے، لیکن اللہ کے پیغمبروں، خاص کر آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے اور اللہ کی کتاب قرآن مجید کے بیان سے ہم نے اس کو جانا اور مانا ہے۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اپنے اپنے وقت میں اللہ کے سب پیغمبروں نے یہی بتایا کہ: موت سے انسان کا بالکل خاتمه نہیں ہو جاتا، بلکہ انسان دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس کی روح جو انسان کی اصل حقیقت ہے وہ دوسری دنیا میں چلی جاتی ہے۔ اس لیے 'موت' کو 'انتقال' بھی کہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ہم سب پر گزر بھی چکی ہے، جس کی وجہ سے اس کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اس دنیا میں آنے سے پہلے چند مہینے اپنی ماں کے پیٹ میں رہا ہے۔ ذرا سوچیے اگر کوئی ایسا آلہ ایجاد ہو جائے جس کے ذریعے پیٹ کے بچے تک بات پہنچائی جاسکے اور اس سے کہا جائے کہ اے بچے! اس وقت تو جس دنیا میں ہے، یہ اصل دنیا نہیں ہے، اصل دنیا میں تو چند نوں کے بعد پہنچے گا اور وہ لاکھوں کروڑوں کلو میٹر کی لمبی چوڑی دنیا ہے۔ اس میں دریا ہیں، پہاڑ ہیں، جنگل ہیں، اور اربوں انسان بس رہے ہیں، رہلیں چل رہی ہیں، موٹریں دوڑ رہی ہیں، ہوائی جہاز اڑ رہے ہیں، حکومتی قائم ہیں، جنگیں ہوتی ہیں، تو پیش چلتی ہیں، الغرض اس دنیا ہیں، ہوائی جہاز اڑ رہے ہیں، حکومتی قائم ہیں، جنگیں ہوتی ہیں، تو پیش چلتی ہیں، الغرض اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اگر ماں کے پیٹ کے بچے سے اس کا ذکر کیا جائے اور اس کو بتایا جائے کہ چند نوں کے بعد تو بھی اس دنیا میں پہنچ جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بچے جو ابھی اپنی ماں کے پیٹ کی

ایک بالشت کی دنیا میں ہے اور اس سے باہر کی کسی بات کو جانتا ہی نہیں، وہ اگر ان باتوں کو کسی طرح سمجھ بھی لے تو بھی آسانی سے یقین نہ کر سکے گا، لیکن پیدا ہونے کے بعد جب وہ اس دنیا میں آئے گا اور کچھ دیکھنے سمجھنے کے لائق ہو جائے گا تو ان سب چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ بالکل یہی مثال ہماری اس زندگی کی اور عالم آخرت کی ہے۔

ہم اس دنیا میں ہیں تو اس دنیا سے آگے کی کسی بات کو خود نہیں جان سکتے۔ اور اپنی ان آنکھوں سے آگے کی کوئی منزل نہیں دیکھ سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیاً علیہم السلام کو عالم آخرت کا علم دیا ہے۔ انھوں نے ہمیں بتایا اور سب سے زیادہ وضاحت اور تفصیل سے خدا کے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتالیا کہ مرنے کے بعد تم ایک دوسرے عالم اور دوسرے جہان میں پہنچ جاؤ گے جس کی پہلی منزل عالم برزخ ہے (یعنی موت سے لے کر قیامت تک جہاں اور جس حال میں رہنا ہوگا)۔ دوسری منزل حشر اور حساب کی منزل ہے، جہاں ہر شخص کے اعمال کی جائیج اور ان کا فیصلہ ہوگا، اور اس سے آگے آخری منزل دوزخ یا جنت کا دائیگی ٹھنکانا ہے۔ پھر دوزخ میں جو طرح طرح کے دردناک عذاب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی شان تھماری کے جو نہایت ہبہت ناک منظر سامنے آئیں گے ان کو بھی آپ نے تفصیل سے بتالیا، اور جنت میں عیش و راحت اور لذت و مسرت کے جو بے انتہا سامان ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت و کرم کے جو نئے نئے تجربے اور مشاہدے ہوں گے ان کی بھی آپ نے پوری تفصیل بیان فرمائی۔

میں مانتا ہوں کہ اس زندگی میں ان باتوں میں سے کسی ایک کو بھی ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے اور نہیں دیکھ سکتے، لیکن ہمارا یہ نہ دیکھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ کی منزل میں کسی بچے کا اس دنیا کو نہ دیکھ سکنا، اور جس طرح ہر بچہ یہاں آجائے کے بعد وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے جو آنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتا تھا، اسی طرح ہمیں یقین ہے اور ہم اس پر قسم کا سکتے ہیں کہ اس دنیا سے جانے کے بعد ہم میں سے ہر ایک وہ سب کچھ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لے گا جس کی اطلاع اللہ کے سارے پچھے نہیں اور رسولوں نے دی ہے اور سب سے آخر میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تفصیل اور وضاحت سے دی ہے۔

بہر حال، ہمیں کہنا یہ ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے، ہم اور آپ جو اپنے کو مسلمان کہتے اور

دینا اور آخرت کے بارے ہمارا روتے ہیں؟

کہلاتے ہیں، آخرت والی دنیا کو مان لپکے ہیں اور اس پر ایمان لپکے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے آخري نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اس کی آخری کتاب قرآن مجید نے آخرت اور دوزخ و جنت کی جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ہم اور آپ ان تفصیلات پر کبھی ایمان لائے ہیں۔

مثلاً ہمارا ایمان ہے کہ جس طرح ہماری اس زندگی میں بھوک اور پیاس کی تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح دوزخ میں بھی دوزخیوں کو بھوک اور پیاس کی تکلیف ہوگی جو یہاں کی اس تکلیف سے ہزاروں گناہ زیادہ ہوگی۔ پھر اگر یہاں کسی کو بھوک لے گے اور اسے کہانے کی کوئی چیز نہ ملے تو بس یہی تو ہو گا کہ دوچار خفتہ تڑپ تڑپ کے ایڑیاں رگڑگڑ کے جان دے دے گا اور اس طرح موت کے ساتھ اس کی بھوک کی تکلیف کا بھی خاتمه ہو جائے گا، لیکن دوزخ میں دوزخی ہزاروں لاکھوں سال بھوک پیاس کی شدید تکلیف میں تڑپے گا اور اس سے چھکرا پانے کے لیے اسے موت بھی نہ آئے گی، قرآن مجید کا بیان ہے: لَا يُقْطَنِي عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوا (الفاطر: ۳۵)۔

● آخرت کا عذاب: آخرت کے عذاب کے متعلق قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے اس دو باتیں اور سن لیجیے۔ ان سے اندازہ ہو جائے گا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی تکلیف کو بھی آخرت کی تکلیفوں سے کیا نسبت ہے:

خیال کیجیے! اس دنیا میں اگر کسی زندہ آدمی کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے تو بس چند منٹ میں جل بھن کر اور تڑپ تڑپ کر جان دے دے گا۔ اور چند منٹ کی یہ تکلیف بھی ایسی ہو گی کہ جس بے چارے پر گزرے گی اس کا تو کیا ذکر، دیکھنے والوں کے بھی ہوش خراب ہو جائیں گے اور کتنوں پر اختلاج قلب کے دورے پڑ جائیں گے۔ لیکن قرآن مجید میں دوزخیوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے اور ان کے جسم کی کھالیں پک پک جائیں گی اور پھر ان کی جگہ نئی کھال آجائے گی اور پھر اسی طرح وہ جھونکے جائیں گے، الغرض ان کو یہ عذاب مسلسل دیا جاتا رہے گا۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں: كُلُّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَذَلَلُهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لَيَنْدُوْقُوا الْعَذَابَ ط (النساء: ۵۶) اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسروی کھال پیدا کریں گے، تاکہ وہ خوب عذاب کا مرا جکھیں۔

اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی سن لیجیے:

آپ نے ارشاد فرمایا: ”دوزخ میں جس شخص کو سب سے بلکہ درجے کا عذاب ہوگا، اس کا حال یہ ہوگا کہ اس کے پاؤں کے تلوے کے نیچے دوزخ کی آگ کی ایک چنگاری رکھ دی جائے گی جس سے اس کا بھیجا سر میں اس طرح پکے گا جس طرح چولے پر ہانڈی پکتی ہے اور اس کا اپنا اندازہ اور احساس یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ عذاب میں آج میں ہی ہوں۔“

ہم آپ سب اس پر ایمان لائے ہیں کہ آخرت اور دوزخ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اور قرآن مجید کے یہ بیانات بالکل صحیح ہیں، یقینی ہیں، ان میں کسی شک و شبهے کی گنجائش نہیں ہے۔

● جنت اور اس کی نعمتیں: اب اسی طرح جنت اور اس کی نعمتوں کے متعلق بھی اللہ اور اللہ کے رسول کے چند ارشادات اس وقت ذہن میں تازہ کر لیجئے!

یوں تو جنت اور اہل جنت کے متعلق قرآن مجید میں بہت کچھ بیان فرمایا گیا ہے۔ لیکن ایک بات کافی جگہ قرآن مجید میں ایسی کوئی گنہ ہے کہ جنت کے متعلق کچھ اندازہ کرنے کے لیے بس وہی کافی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ انسان کے دل اور اس کی طبیعت میں جو بھی خواہشیں اور جو بھی امکنگیں اور آرزوییں اور ہو سکتی ہیں جنت میں ان سب کے پورا ہونے کا پورا سامان ہے اور وہ سب پوری کی جائیں گی۔ ارشاد ہے: وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيَ الْأَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَنْتَهُونَ (حمد السجدة ۳۱:۳۲) ”وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تنا کرو گے وہ تمھاری ہوگی۔“ دوسرا جگہ ارشاد ہے: لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ط (النحل ۳۱:۱۶)، اور ایک تیسرا جگہ فرمایا گیا ہے: فِيهَا مَا تَشْتَهِيَ الْأَنْفُسُ وَتَلَدُّلُ الْأَعْيُنُ ح (الزخرف ۳۳:۱۷) (یعنی جنت میں تمھارے لیے وہ سب کچھ ہے جس کو تمھارے جی چاہتے ہیں اور تمھاری آنکھوں کو جس کے دیکھنے سے لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے)۔

سوچیے اس کے بعد باقی کیا رہا؟ ہمارا جی عیش و راحت والی اور لذت و سرت والی ایسی زندگی کو چاہتا ہے جو کبھی ختم نہ ہو، جنت میں وہ موجود ہے۔ ہمارا جی اچھے مکانات کو چاہتا ہے جن سے نکلنے کا بھی اندر یہ شرہ نہ ہو، جنت میں وہ بھی موجود ہیں۔ ہمارا جی اچھے کھانوں اور اچھے لذیذ میووں اور پینے والی اچھی خوش ذات کے خوش رنگ چیزوں کو چاہتا ہے، جنت میں وہ بھی موجود ہیں بلکہ

دنیا اور آخرت کے بارے ہمارا روایتی؟

ان کی نہیں بہہ رہی ہیں۔ ہمارا جی اچھی حسین اور سلیقہ شعوار اور خدا کو یاد کرنے والی بیویوں کو چاہتا ہے، جنت میں وہ بھی موجود ہیں۔

یہ تو عام انسانوں کی خواہش کی چند چیزوں کا ذکر ہے اور جنت میں بلاشبہ یہ سب چیزیں بھر پور موجود ہیں۔ لیکن اس سے آگے اللہ تعالیٰ کی رضا، اللہ تعالیٰ کی وہ معرفت جس کا اس دنیا میں امکان نہیں، اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کا دیدار۔ یہ جنت کی وہ نعمتیں اور لذتیں ہیں جن کی چاہت سے اللہ کے خاص بندوں کے سینے بھرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے ان چاہنے والوں کی اس چاہت کو بھی وہاں پورا کرے گا۔

اس کے بعد اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی سن لیجیے۔ ارشاد فرماتے ہیں : اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور فرمائیں بردار بندوں کے لیے جنت میں جو نعمتیں اور لذت و راحت کے جو سامان تیار کیے ہیں وہ ایسے اچھوتے اور الیلیے ہیں کہ کسی آنکھ والے کی آنکھ نے ان کی جھلک تک نہیں دیکھی، اور کسی کے کان میں ان کی بھنک تک نہیں پڑی، اور کسی کے دل میں ان کا خیال اور خطرہ بھی نہیں گزرا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں : مَالًا عَيْنُ رَأْثَ وَلَا أُذْنُ

سَعِيْغَتُ وَلَا خَطْرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ (بخاری)، باب ماجاء فی صفة الجنۃ، حدیث: ۳۰۸۸)

ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سلسلے میں اور سن لیجیے، جس میں آپ نے

جنت کے عیش اور دوزخ کے عذاب کی شدت کو ایک خاص عنوان سے سمجھنا چاہا۔

آپ نے فرمایا : آخرت میں اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو طلب فرمائے گا، جس نے دنیا میں خدا سے بے تعلق اور بے خوف ہو کر اور اس کے احکام سے بے پرواہ کفر اور شرارت کی زندگی گزاری ہو گئی اور دنیا میں ایسے عیش و آرام سے رہا ہو گا کہ کبھی کسی تکلیف کا اس نے منہ بھی نہ دیکھا ہو گا۔ پھر فرشتوں کو حکم ہو گا کہ اس کو دوزخ کی ہوا کھلا لاؤ۔ فرشتے حکم کی تعمیل کریں گے اور اس کو دوزخ کی ذرا آنچ دکھا کر نکال لائیں گے۔ اسی سے اس کا یہ حال ہو جائے گا کہ سر سے پاؤں تک بس تکلیف اور بے چینی ہو گئی، چیخنے کا اور ترپے گا۔ پوچھا جائے گا کیا حال ہے؟ بے چارہ اپنی تکلیف اور اپنے دکھ کا حال بیان کرے گا۔ پھر پوچھا جائے گا کچھ یاد ہے کہ اس سے پہلی زندگی میں، یعنی دنیا میں تو کیسے عیش و آرام سے رہا تھا۔ وہ بندہ غالباً قسم کھا کر کہے گا کہ خداوند امیں نے عیش و آرام کی

کبھی صورت بھی نہیں دیکھی، میں تو بس اس تکلیف ہی کو جانتا ہوں جس میں اس وقت بتلا ہوں۔
گویا دوزخ کی آگ کی صرف ہوا لگ جانے سے آدمی اس دنیا کی پوری زندگی کے عیش و راحت کو
بالکل بھول جائے گا۔

حضور فرماتے ہیں کہ پھر ایک ایسے نیک بندے کو بلا یا جائے گا جو دنیا کی زندگی میں ہمیشہ
تکلیف اور پریشانی ہی میں رہا تھا اور فرشتوں کو حکم ہو گا کہ جاؤ ہمارے اس بندے کو ذرا جنت کی
ہوا کھلا لاؤ۔ فرشتے اس حکم کی بھی تعمیل کریں گے اور اس کو جنت کی فضائیں سے گزار کر لے آئیں
گے۔ بس جنت کی ہوائیں اور اس کی فضائیں سے صرف گزر جانے سے اس بندے کو ایسا چین و سکون
اور ایسا عیش و شرور حاصل ہو گا کہ پہلی زندگی کی ساری عمر کی تکلیف بھول جائے گا، اور جب
اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ بندے کچھ یاد ہے کہ پہلی زندگی کیسی تکلیف سے گزری تھی،
تو وہ عرض کرے گا کہ میرے پیارے پروردگار! مجھے تو کسی تکلیف کی صورت دیکھنا بھی یاد نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پورے بیان کا حاصل یہی ہے کہ آخرت کی تکلیفیں اور
وہاں کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اس کا ایک لمحہ اس دنیا کے عمر بھر کے عیش کو بھلا دے گا۔ اور اسی
طرح وہاں کا عیش و آرام اور وہاں کی لذتیں ایسی ہیں کہ انھیں صرف دیکھ کر بندہ ساری عمر کی تکلیفیں
بھول جائے گا۔

دوزخ اور جنت کے متعلق قرآن و حدیث کے ان بیانات پر الحمد للہ ہمارا ایمان ہے اور ہم
آپ سب اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ سب حق ہے اور اس دنیا سے جانے کے بعد ہم یہ سب کچھ
ابنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ ہمیں اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہیں ہے۔

• دنیا اور آخرت کے علم و یقین کا اثر: اب خدا اپنی اور اپنے سب مسلمان بھائیوں
کی اس حالت پر غور کرو کہ دنیا کی جن حقیقوں کا اور یہاں کی جن تکلیفوں اور آراموں کا اور جن نفعوں
اور نقصانوں کا ہمیں اپنے مشاہدے اور تجربے سے علم ہوا ہے، ان کا ہماری زندگی پر کتنا اثر ہے۔
مثلاً ہمیں یقین ہے کہ آگ جلا دیتی ہے تو اس علم کا ہم پر یہ اثر ہے کہ ہم بھول کے بھی آگ سے
نہیں کھلتے، بلکہ جب کہیں آگ کے پاس سے بھی گزرتے ہیں تو اپنے جسم کو اور کپڑوں کو پوری
طرح بچاتے ہوئے گزرتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے معتبر آدمیوں سے سن رکھا ہے کہ زہر آدمی کو

ہلاک کر ڈالتا ہے اور سانپ کے کائنے سے آدمی مر جاتا ہے، تو کبھی ہم آزمائش کے خیال سے بھی زہر پی کر دیکھنے کی یا سانپ کو ہاتھوں میں لے لینے کی جرأت نہیں کرتے۔

اسی طرح ہم میں سے جو غریب یہ جانتے ہیں کہ وہ اگر آج مزدوری نہیں کریں گے تو کل ان کے پھوٹوں کو فاقہ ہو جائے گا۔ وہ گھر میں نہیں بیٹھے رہتے بلکہ وہ بھر جزوی کی سخت کراکے کی سردی میں بھی اور جون کی تھلکا دینے والی لوٹ میں بھی وہ بے چارے باہر نکل کر مزدوری کرتے ہیں۔ اسی طرح ملازم پیشہ حضرات چونکہ جانتے ہیں کہ اگر ہم بروقت ڈیوٹی پر نہ پہنچیں گے تو ہم سے باز پرس ہوگی اور ہماری ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس لیے خواہ ہی چاہے یا نہ چاہے بے چارے ڈیوٹی پر جانے اور وہاں کی مقررہ خدمت انجام دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ صرف اس لیے کہ اس دنیا کے نفع نقصان اور یہاں کے اپنے معاملات کے نتائج کا جعل و یقین نہیں اپنے ذریعوں سے حاصل ہوا ہے وہ ہم سے یہ سب کچھ کرا لیتا ہے۔ اب دیکھیے کہ آخرت کے نتائج کے بارے میں جو باقی میں اللہ کی مقدس کتاب اور اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے معلوم ہوئی ہیں اور جن پر ہم ایمان لائے ہیں ان کے علم و یقین کا ہماری زندگی پر کتنا اثر ہے؟ — میرے نزدیک یہ کوئی باریک علمی مسئلہ نہیں جس کا سمجھنا کسی کے لیے مشکل ہو۔ ہر شخص خود ہی سوچ کر وہ دنیا کی آگ اور دنیا کے سانپوں بچھوڑوں سے بچنے کی جتنی فکر کرتا ہے، کیا آخرت کی دوزخ والی آگ اور دوزخ کے سانپوں بچھوڑوں سے بچنے کی وہ اتنی فکر کر رہا ہے، اور کیا یہاں کی بھوک بیاس سے اور یہاں کی تکلیفوں مصیبوں سے بچنے کے لیے وہ جو محنت اور جیسی دوڑھوپ کرتا ہے کیا وہی ہی وہ آخرت کی بھوک بیاس اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لیے کر رہا ہے؟

اسی طرح ہر شخص سوچ کر کہ اس دنیا میں آرام اور عزت حاصل کرنے کے لیے اور ترقی کے بلند درجوں پر پہنچنے کے لیے وہ جیسی فکر اور جیسی جدوجہد کر رہا ہے، کیا جنت کا عیش اور آخرت میں سرفرازی اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بھی وہ ویسی ہی فکر اور جدوجہد کر رہا ہے؟

یقیناً آپ سب کا بھی یہی خیال ہو گا کہ ہم میں اکثر کا بلکہ قریب قریب سب کا حال اس کے خلاف ہے۔ — آخر ایسا کیوں ہے؟

اس وقت پیش نظر مقصود یہی ہے کہ آپ کو اس سوال کی طرف اور اس صورتِ حال کی طرف توجہ دلاؤں۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ یہ ہماری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ یہ صورتِ حال ہے جو قرآن مجید نے ایمان نہ لانے والوں کی اور اللہ و رسولُ کی باتوں کا یقین نہ کرنے والوں کی بتلائی ہے۔۔۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿كَلَّا تُبْلِغُونَ الْعَاجِلَةَ وَيَنْذَرُونَ الْآخِرَةَ﴾ (القيامة ۷۵: ۲۰-۲۱) ”اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آختر کو چھوڑ دیتے ہو۔“

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: ﴿إِنَّهُوَلَاءُ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَنْذَرُونَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا﴾ (الدهر ۲۷: ۷۶)، یعنی ان کا حال یہ ہے کہ ان کو دنیا کی تو چاہت ہے اور آختر کے مسئلے کو انھوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔

میرا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خدا نخواستہ ہم سب ایمان سے خالی اور خدا اور رسول کے مکفر ہو چکے ہیں، بلکہ میں اپنے بشری علم کے مطابق الحمد للہ شہادت دے سکتا ہوں کہ ہم آپ جو یہاں ہزاروں کی تعداد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اس طرح کے ہمارے وہ سب بھائی جو دنیا کے کسی علاقے میں کبھی بس رہے ہیں، الحمد للہ! ہم سب کے دلوں میں ایمان موجود ہے اور ہم اللہ اور اللہ کے رسول کی تمام باتوں اور ساری خبروں کو بالکل حق جانتے ہیں اور حق مانتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقع ہے کہ ہماری زندگی ایمان والی نہیں ہے، یا دوسرے لفظوں میں اس کو آپ یوں کہہ لجیے کہ ہماری زندگی ہمارے ایمان سے مطابقت نہیں رکھتی۔۔۔ میں آپ کو بس اس سوال کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟

• زندگی میں تضاد کا سبب: اس کی اصل وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہمارا آختر والا یقین جو نبیوں اور رسولوں کے ذریعے ہمیں ملا تھا، وہ ہمارے دنیا والے اُن میقینوں کے مقابلے میں کمزور ہو گیا ہے جو ہمیں اپنے مشاہدے اور تجربے وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں اور ان کے نیچے گویا دب کر بے اثر اور بے جان ہو گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا والا یقین، ہم سے اپنے سارے تقاضے پورے کر لیتا ہے لیکن آختر والا یقین، ہم سے اپنے تقاضے اور اپنے مطالبے پورے کرانے سے عاجز رہتا ہے۔ آپ اس کو واقعی مثالیں سامنے رکھ کر سوچیے۔

مثلاً ایک شخص ہے اس کو اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق زکوٰۃ دینی چاہیے۔ اب اپنے ذاتی علم و تجربے سے اس کو ایک یقین تو یہ ہے کہ جتنی رقم میں زکوٰۃ کی دوں گا میری دولت میں اتنی کمی ہو جائے گی اور اس طرح میرا مالی نقصان ہو گا، اور ایک دوسرا یقین یا عقیدہ اس کا یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کا ادا نہ کرنا بہت بڑا جرم اور سخت ترین گناہ ہے جس کے نتیجے میں آدمی کو دوزخ کا نہایت دردناک عذاب بھگنا پڑے گا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر دوسرا یقین پہلے یقین کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور ہو اور اس سے دبا ہوانہ ہو تو آدمی یقیناً زکوٰۃ ادا کرے گا، لیکن اگر یہ دوسرا یقین کمزور ہو اور پہلا والا یقین زیادہ طاقت ور ہو تو پھر زکوٰۃ اس کی جیب سے نہیں نکلے گی۔ اسی طرح فرض کیجیے کہ ایک شخص حکومت کے کسی عہدے پر ہے۔ کسی معاملے میں اس کو ایک ہزار روپیہ کی رشوت پیش کی جاتی ہے۔ اب اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے سے اس کو ایک یقین تو یہ ہے کہ یہ رقم اگر میں لے لوں گا تو اس سے میری دولت میں اضافہ ہو گا، میرے بہت سے کام نکلیں گے، اور دوسری طرف وہ بہ حیثیت مسلمان اس بات پر بھی یقین اور عقیدہ رکھتا ہے کہ رشوت حرام ہے اور اس کے لینے والے پر خدا کی لعنت ہے، اور دوزخ میں اس کو اس کا سخت ترین عذاب بھگنا ہو گا۔ اب اگر وہ دوسرے یقین کو نظر انداز کر کے رشوت لے لیتا ہے تو اس کا سبب صرف یہی ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا یقین کمزور ہے اور پہلے یقین سے دبا ہوا ہے۔

الغرض ہماری زندگی میں جو یہ یقنداد ہے کہ ہم عقیدہ کے لحاظ سے مسلمان ہیں اور ہماری غالب اکثریت کی عملی زندگی ایمان و اسلام کے تقاضوں کے بالکل خلاف ہے، اس کی اصل وجہ اور علة العلل یہی ہے کہ ہمارا اللہ تعالیٰ اور یہم آخرت کے بارے میں وہ یقین جواب نیا علیہم السلام کے ذریعے ہمیں ملا تھا نہایت کمزور ہو گیا ہے، اور ہمارے دنیا والے وہ یقین جو ہمیں اور عام انسانوں کو اپنے مشاہدے اور تجربے وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں اس پر پوری طرح غالب آگئے ہیں۔

صحابہ کرامؐ کے حالات آپ نے سنے ہوں گے اور آپ میں سے بہت سے حضرات نے کتابوں میں بھی پڑھے ہوں گے۔ ان کی زندگی کا نقشہ ہمیں بالکل دوسرا نظر آتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ان کا آخرت والا یقین اتنا جان دار اور طاقت ور تھا کہ ان کے مشاہدے اور تجربے والے اس دنیا کے بیقینوں پر غالب تھا۔ ایک تائی بزرگ غالباً سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

کا ارشاد ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؐ کو دیکھا ہے، ان کا انتیاز یہ نہیں تھا کہ وہ نماز روزہ جیسی عبادات میں تم سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ آگے ان کے الفاظ: **وَلِكُنَّهُ شَيْءٌ وَقُرْنَى قُلُوبُهُمْ**، یعنی ان کا حصل انتیاز بس یہ تھا کہ ان کے دلوں میں اللہ اور آخرت کا یقین ایسا جما تھا کہ ان کی پوری زندگی اور ان کا تمام ظاہر و باطن اس کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ہمارے لیے جس طرح یہ مشکل ہے کہ ہم اپنے مشاہدے اور تجربے والے یقینوں اور ان کے تقاضوں سے بے فکر اور بے پرواہ کر زندگی گزاریں، اسی طرح ان کے لیے یہ مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا تھا کہ اللہ اور یومِ آخرت والے یقین اور اس کے مطالبات سے آزاد ہو کر کوئی قدم اٹھا سکیں۔

اب ہمارے اور آپ کے سامنے دو رہیں ہیں:

ایک یہ کہ دین اور ایمان کے لحاظ سے اس وقت جو ہماری حالت ہے ہم خدا غواستہ اس پر مطمئن ہوں اور اس میں تبدیلی کے لیے ہم میں کوئی بے چینی نہ ہو، اور وہ اسی طرح گزرتے رہیں اور ہم اسی حال میں جیتے اور مرتے رہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک ہمارے دلوں میں ایمان کا کوئی ذرہ ہے، ہم اس راستے کو شوری طور پر ہرگز نہیں اپنا سکتے، اور میں کہہ سکتا ہوں کہ شاید آپ میں سے کوئی ایک بندہ بھی جان بوجھ کر اس کو پسند نہیں کرے گا۔

دوسری را یہ ہے کہ جس طرح ہم دنیوی زندگی کے بگاڑ سے اور یہاں کی بیماریوں، بر بادیوں سے فکر مند ہوتے ہیں اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، اسی طرح ہم اپنے اس دنیی بگاڑ اور اخروی تباہی و بر بادی سے فکر مند ہوں اور اپنی حالت کو درست کرنے کی اور اپنی زندگیوں کو ایمان والی زندگی بنانے کی جدوجہد کریں۔ ظاہر ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا فیصلہ بھی ہو گا۔

اصلاح احوال کی صورت

اب سوال یہ ہے کہ یہ کام کیس طرح ہو؟

یہ تو عرض کیا جا چکا ہے کہ ہمارے اس سارے بگاڑ کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہمارا ایمان والا یقین کمزور ہو گیا ہے اور دنیا والے ہمارے یقین اس پر غالب آگئے ہیں۔ اس لیے اب تھیں صرف اس کی جدوجہد کرنی ہے کہ ہمارے یقین کا انشا درست ہو جائے، یعنی اس دنیا میں جو کچھ ہم اپنے

مشابدے اور تجربے سے جانتے ہیں ہمیں اس پر بھی یقین ہو، لیکن اس سے بھی زیادہ گہرا اور پاک یقین ان بالوں پر ہو جو اللہ اور رسول کے بتلانے سے ہمیں معلوم ہوتی ہیں۔ بس یہی ہمارا حصل مسئلہ ہے! اس کے بعد صاف عرض ہے کہ اگر ہماری تقریروں سے یہی یہ بات حاصل ہو سکتی تو مسئلہ بڑا آسان تھا۔ آپ کو کچھ بھی کرنا نہ پڑتا۔ ساری محنت ہم کرتے یا تقریر کرنے والے دوسرے حضرات کے پاؤں پکڑتے اور ان سے کہتے کہ امت میں ایمان والا یقین پھر سے پیدا کرنے کے لیے خوب تقریر یں کیجیے اور اس میں کوئی کسر اٹھانہ رکھیے! اسی طرح میں صاف کہتا ہوں کہ اگر کوئی تعویذ، کوئی وظیفہ، کوئی جادو اپسا ہوتا کہ نہ اس سے کام چل جاتا جب بھی مسئلہ بڑا آسان ہوتا۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ کسی تعویذ اور وظیفے سے بھی یہ کام بننے والا نہیں ہے۔

ایمان والے یقین کو بڑھانے کی اور دوسرے ذینوی یقینوں پر اس کو غالب کرنے کی ہمیشہ سے ایک ہی راہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے کو ایسے دینی اور ایمانی کاموں میں لگادے جو ایمان و یقین کو بڑھانے والے ہوں، اور اگر اس کا ماحول ایمان و یقین کے لیے سازگار نہیں ہے تو کم از کم کچھ عرصے کے لیے کسی ایسے ماحول میں رہے جس میں ایمان و یقین کی ترقی کا سامان ہو۔ صحابہ کرامؐ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والا ایمان آفرین ماحول نصیب تھا اور انہوں نے اپنے کو دین کے ان کاموں میں پوری طرح جھوٹ دیا تھا جو ایمان و یقین کو بڑھانے والے تھے۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کا ایمانی یقین ان کی دوسری تمام بشری معلومات پر غالب تھا۔ پھر قرونِ اولیٰ کے بعد بزرگانِ دین، یعنی صوفیاے کرام نے ایمان و یقین کی ترقی کے لیے جو راه اختیار کی اس میں بھی بنیادی چیز یہی تھی۔

ہمارا یہ دور عوامی تحریکات کا دور ہے اور ساتھ ہی دین کی طرف سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کا دور ہے۔ اس دور میں اس مقصد کے لیے کسی ایسے طریقہ کا را اور اسی جدوجہد کی ضرورت تھی جو عوامی بھی ہوا اور بے طلبیوں اور بے فکریوں کو کھینچنے کا اس میں کچھ انتظام ہو، — تبلیغ و دعوت کی جدوجہد در حصل اسی مقصد کی ایک عوامی کوشش ہے۔

آج صورت یہ ہے کہ ہمارے امیروں اور غریبوں کا، ہمارے بڑوں اور چھوٹوں کا، ہمارے پڑھوں اور بے پڑھوں کا، سب کا ماحول غیر دینی ہے۔ سوچیے ہمارا ماحول کیا ہے؟

ہمارا گھر، ہمارا محلہ، ہمارے اسکول، ہمارے کامج، ہمارے دفتر، ہماری کپھریاں، ہمارے کارخانے، ہمارے کھیت کھلیاں، ہمارے بازار اور ہماری منڈیاں، سب کی زندگیاں بس انھی ماحلوں میں تو گزر رہی ہیں، اور ہم آپ سب جانتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں آج اللہ اور آخرت کو یاد دلانے والی نہیں، بلکہ بھلانے والی ہیں۔ اسی طرح آج ہمارے جو مشاغل ہیں اور ہمارے کھانے کے جو ذریعے ہیں وہ بھی ہمارے ایمان والے یقین کو غذا پہنچانے والے نہیں بلکہ دیمک کی طرح کھا کے اس کو کمزور کرنے والے ہیں۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ہماری زندگیوں کا پروگرام ایسا ہو کہ کچھ دنوں^{*} کے لیے ہم اپنے مشغلوں اور ماحلوں سے نکل کر جھوٹوں نے ہمارے ایمان و یقین کو کمزوری کی اس حد تک پہنچا دیا ہے، کسی ایسے ماحول اور ایسے مشغلوں اور ایسی فضائیں کچھ وقت گزارا کریں جو ایمان و یقین کے لیے سازگار اور اس کو غذا پہنچانے والی ہو۔

آپ اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کریں۔ آخر کب تک زندگی کی گاڑی غلط راستے پر چلائی جائے گی اور کب تک ایمان کے دعووں کے ساتھ غیر ایمانی زندگی گزاری جائے گی۔ میں بغیر کسی تکلف اور چاہ کے کہتا ہوں کہ آپ میں سے جو حضرات ایسے مسائل پر غور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں وہ اس مسئلے پر پوری سنجیدگی سے غور کریں، اور میرے جو جھانی ہم لوگوں پر اعتقاد کر کے ہماری بات مان سکتے ہوں وہ اعتقاد کر کے مانیں اور آگے بڑھیں۔ ہماری بات مان کر آپ کچھ کھوئیں گے نہیں بلکہ اپنے دین و ایمان کو درست کر لیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کی دنیا بھی درست کر دے گا۔ صحابہ کرامؓ نے دین کو اصل مقصد زندگی بنا کر اس کی فکر کی تھی، اللہ تعالیٰ نے دنیا خود ان کے قدموں میں ڈال دی۔ وہی اللہ اب بھی ہے اور اس کا قانون اب بھی وہی ہے۔

☆ دعوت و تلخیق کا کام بھی ایمان و یقین کو بڑھانے اور غالب کرنے کا کام ہے اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد بھی ایمان و یقین بڑھانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میدانوں میں اسلام کو غالب کیا۔ مدینہ طلبہ میں اسلامی ریاست قائم فرمائی جس کے نتیجے میں آج کی دنیاے اسلام وجود میں آئی ہے۔ (مولانا عبد المالک، مصوروہ)